(قسط چودھویں) (سلسلہ کے لئے ملاحظہ ہو برہان نومبر ۱۹۶۱ء)

عربی لٹریچر میں قدیم ہندوستان

از جناب ڈاکٹر خورشید احمد فاروق صاحب صدر شعبہ عربی. دلی یونیورسٹی. دہلی

(ہندوستان کے جانور)

گینڈا

ابن خرداذبہ[1] (نویں صدی کا ربع ثانی) :-

گینڈا ایک چوپایہ ہے جس کی پیشانی پر تقریباً ڈیڑھ فٹ (ذراع) لمبا اور دو مٹھی چوڑا سینگ ہوتا ہے جس پر شروع سے آخر تک ایک شکل بنی ہوتی ہے جب سینگ کاٹا جاتا ہے تو اس کی کالی زمین پر سفید شکل نظر آتی ہے۔ یہ شکل کبھی انسان سے ملتا جلتا خاکہ ہوتی ہے، کبھی کسی چوپایہ سے کبھی مچھلی، مور یا کسی دوسرے پرندے کی۔ چین کے دست کار سینگ سے پٹکے بناتے ہیں۔ ایک پٹکے کی قیمت پندرہ سو روپے (تین سو دینار) سے پندرہ اور بیس ہزار روپے (تین اور چار ہزار دینار) تک ہوتی ہے۔

سلیمان تاجر[2] (نویں صدی کا ربع ثالث) :-

(راجۂ بنگال و آسام) دھرم پالا[3] (رُہمی) کی قلمرو میں بشان[4] معلم یعنی گینڈا پایا جاتا ہے۔

---

۱ المسالک والممالک ص ۶۷ ۔ ۲ سلسلۃ التواریخ ۱/۳۰۔

۳ عہد حکومت سنہ ۸۰۰ء تا ۸۲۵ء اور بقول بعض ۷۶۹ء تا ۸۰۱ء۔

۴ پیش نظر کسی عربی یا فارسی قاموس میں یہ لفظ نہیں ملا، بعض کتابوں میں ب کی بجائے ن سے لکھا ہے۔

اس کی پیشانی کے اگلے حصہ پر ایک سینگ ہوتا ہے جس پر انسان سے ملتی جلتی شکل ہوتی ہے سینگ کالا ہوتا ہے اور اس کے وسط میں شکل سفید ہوتی ہے۔ گینڈے کا رنگ کالا ہوتا ہے جسامت میں ہاتھی سے چھوٹا اور بھینس سے ملتا جلتا ہے۔ جسمانی قوت میں کوئی جانور اسکا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اس کے گھٹنوں اور ہاتھوں میں جوڑ نہیں ہوتے، پیر سے بغل تک صرف ایک ہڈی ہوتی ہے۔ ہاتھی اس سے بھاگتا ہے۔ گائے اور اونٹ کی طرح گینڈا جگالی کرتا ہے اس کا گوشت حلال ہے ہم نے بھی کھایا ہے۔ اس مملکت (بنگال و آسام) کے جنگلوں میں بکثرت پایا جاتا ہے۔ ہندوستان کے دوسرے علاقوں میں بھی موجود ہے لیکن بنگال و آسام والے گینڈے کے سینگ زیادہ عمدہ ہوتے ہیں، کبھی سینگ پر مرد کی تصویر بنی ہوتی ہے، کبھی مور کی، کبھی مچھلی کی۔ ان کے علاوہ ہر قسم کے دوسرے خاکے بھی ہوتے ہیں۔ چین کے باشندے اس سینگ کے ٹکڑے استعمال کرتے ہیں، ان کے ملک میں گینڈے کے سینگ کے ایک ٹکڑے کی قیمت دس ہزار روپے (دو ہزار دینار) اور کبھی پندرہ ہزار روپے (تین ہزار دینار) ہوتی ہے۔ سینگ پر مرتسم شکل کی خوب صورتی کے لحاظ سے کبھی قیمت اس سے بھی زیادہ اٹھتی ہے سینگ دھرم پالا (دھرمی) کی قلمرو سے کوڑیوں کے عوض جو یہاں آ سکتی ہے خریدے جاتے ہیں۔

مسعودی (دسویں صدی کا ربع ثانی)[1]

دھرم پالا (دھرمی) کی قلمرو میں مشہور چوپایہ نشان محکم پایا جاتا ہے جس کو عوام گینڈے کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ اس کی پیشانی کے اگلے حصہ پر ایک سینگ ہوتا ہے۔ جسامت میں ہاتھی سے چھوٹا اور بھینس سے بڑا ہوتا ہے۔ رنگ سیاہی مائل۔ گائے اور دوسرے جگالی کرنے والے جانوروں کی طرح جگالی کرتا ہے۔ ہاتھی اس سے دور بھاگتا ہے۔ خدا بہتر جانتا ہے لیکن (جہاں تک ہمیں معلوم ہے) جانوروں کی دنیا میں اس سے زیادہ مضبوط اور طاقت ور کوئی

---

[1] مروج الذہب مصر ۲/۱۳۔

دوسرا جانور نہیں ہوتا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کی بیشتر ہڈیاں سخت ہوتی ہیں اور اس کی ٹانگوں میں جوڑ نہیں ہوتے۔ سونے کے لئے لیٹتا بیٹھتا نہیں ہے۔ وہ درختوں اور جھاڑیوں میں رہتا ہے اور ان کا سہارا لے کر سو لیتا ہے۔ ہندو اس کا گوشت کھاتے ہیں اور وہ مسلمان بھی جو ان کے ملک میں موجود ہیں کیوں کہ وہ گائے کی جنس کا جانور ہے۔ ہندوستان اور سندھ دونوں میں بھینسیں بہت ہوتی ہیں۔

گینڈا ہندوستان کے اکثر جنگلوں میں پایا جاتا ہے لیکن راجہ دھرمپالا (دھمی) کی قلمرو (بنگال و آسام) میں زیادہ ہوتا ہے نیز بنگالی گینڈے کے سینگ زیادہ صاف اور خوشنما ہوتے ہیں اور یہ اس طرح کہ اس کا سینگ سفید ہوتا ہے اور اس کے وسط میں کالی تصویر ہوتی ہے اور یہ تصویر یا تو انسانی شکل سے مشابہت رکھتی ہے یا مور یا مچھلی یا خود اس کی اپنی شکل یا اس علاقے کی کسی دوسرے جانور سے مشابہ ہوتی ہیں۔ یہ سینگ خریدے جاتے ہیں اور اس سے سونے چاندی کے زیورات کی طرز پر پٹکے اور خنجر بنائے جاتے ہیں۔ چین کے بادشاہ اور بڑے لوگ یہ پٹکے باندھتے ہیں اور ان میں بہتر سے بہتر سینگوں کے پٹکے استعمال کرنے کی ایک دوڑ سی رہتی ہے اور ان کی خوب خوب قیمت ادا کرتے ہیں۔ چنانچہ ایک پٹکے کی قیمت دس ہزار سے بیس ہزار روپے (چار ہزار دینار) تک پہنچتی ہے اس میں سونے کے کنڈے ...... سلیقہ اور مہارت سے لگے ہوتے ہیں اور کبھی سینگوں میں مختلف قسم کے جواہرات جڑی سونے کی ڈنڈیاں لگی ہوتی ہیں۔ بعض اوقات سینگ کالا ہوتا ہے اور اس پر سفید شکل بنی ہوتی ہے دھرمپالا (رہمی) کی سلطنت کے علاوہ ہندوستان کے دوسرے علاقوں میں گینڈے کے سینگوں پر ہمیشہ ایسے خاکے نہیں بنے ہوتے جیسا ہم نے ابھی بیان کئے۔

عمرو بن بحر جاحظ (متوفی ۲۵۵ھ یا ۲۵۶ھ) نے تصریح کی ہے کہ گینڈے کا بچہ ماں کے پیٹ میں سات سال رہتا ہے نیز یہ کہ وہ اپنا سر ماں کی شرمگاہ سے باہر نکال کر گھاس چرتا ہے اس کے بعد پھر سر اندر کر لیتا ہے۔ جاحظ نے یہ بات اپنی کتاب الحیوان میں بطور روایت بیان

کی ہے اور اس پر تعجب کا اظہار کیا ہے۔ میرے دل میں جاحظ کے اس بیان کی تحقیق پیدا ہوا چنانچہ میں نے سیراف اور عمان کے ان باشندوں سے جو گینڈے والے علاقہ جاتے رہتے ہیں نیز ان عرب تاجروں سے جن سے ہندوستان میں میری ملاقات ہوئی جاحظ کی رائے کا ذکر کیا تو سب حیران ہوئے اور انھوں نے بتایا کہ گینڈے کا بچہ اتنے ہی عرصہ پیٹ میں رہتا ہے اور اتنے ہی عرصے دودھ پیتا ہے جتنا گائے بھینس کا بچہ ...

بیرونی (گیارہویں صدی کا ربع اوّل)۔

گینڈا ہندوستان میں بہت ہوتا ہے اور خاص طور پر گنگا کے آس پاس جنگل میں بھینس سے ملتا جلتا ہے۔ اس کی کھال سیاہ اور کھردری ہوتی ہے اور اس کی ٹھوڑی کے نیچے گوشت کی جھالر لٹکتی ہے، اس کے ہر پیر میں تین زرد رنگ کے کھر ہوتے ہیں جن میں بڑا آگے کی طرف ابھرا ہوتا ہے اور باقی دو دائیں اور بائیں جانب۔ اس کی دم لمبی نہیں ہوتی مقررہ جگہ سے نیچے کلوں کی طرف جھکی ہوتی ہیں، ناک کے سرے پر ایک سینگ ہوتا ہے طرف مڑا ہوا۔ گینڈے کا گوشت خاص طور پر برہمن کھاتے ہیں۔

میں نے ایک جوان گینڈے کو دیکھا کہ اس نے اپنے سینگ سے ایک ہاتھی کا جو سامنے آگیا تھا بازو زخمی کر دیا اور اس کے سینگ مارے۔ میں خیال کرتا تھا کہ گینڈے کہتے ہیں (ایک موقع پر مشرقی افریقہ کے شہر) سُفالہ کے ایک نووارد نے مجھے بتایا کہ کرک (گینڈا) جس کے سینگ سے چھریوں کے دستے بنائے جاتے ہیں ہندوستانی گینڈے بہت مشابہت رکھتا ہے اور حبشی زبان میں اس کو امپیلا کہتے ہیں۔ وہ مختلف رنگ ہوتا ہے، اس کے سر پر ایک مخروطی سینگ ہوتا ہے جس کا زیریں حصہ چوڑا اور اندر

لہ کتاب الہند صفحہ ۱۰۳

لہ عام عرب دال کو مشدد پڑھتے ہیں اور اہل لغت نون کو۔

ہوتا ہے لیکن باقی حصہ سفید ہوتا ہے۔ اس کی پیشانی پر پہلے سینگ سے ملتا جلتا لیکن اس سے زیادہ بڑا ایک دوسرا سینگ ہوتا ہے جو استعمال اور حملے کے وقت سیدھا ہو جاتا ہے اس سینگ کو انبیلا پتھر کی چٹان پر رگڑتا ہے کہ اس میں چمک اور کاٹنے کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے۔ انبیلا کے کھر ہوتے ہیں اور گدھے کی طرح بال بھری دم۔

شَرَو

لوگ کہتے ہیں کہ کوکن[1] کے جنگلوں میں جو وانک کے نام سے مشہور ہیں شَرَو نامی ایک جانور پایا جاتا ہے جس کے چار پیر ہوتے ہیں اور اس کی پیٹھ پر بھی پیروں سے ملتے جلتے چار مزید ابھار پائے جاتے ہیں۔ شرو کی ایک چھوٹی سونڈ ہوتی ہے اور دو بڑے سینگ جن سے وہ ہاتھی کو مار کر دو ٹکڑے کر دیتا ہے۔ شکل و صورت میں بھینس کی طرح اور جسامت میں گینڈے سے بڑا ہوتا ہے۔ لوگ بتلاتے ہیں کہ وہ کبھی کسی چوپائے پر سینگ سے حملہ کرتا ہے اور اس کو یا اسکے کسی حصہ کو پیٹھ کی طرف اٹھا لیتا ہے۔ اور وہ بالائی پیروں میں پھنس کر سڑ گل جاتا ہے اور اس میں کیڑے پڑ جاتے ہیں۔ اور پھر یہ کیڑے اس کی پیٹھ (کے گوشت) میں پھیل جاتے ہیں۔ شرو پیٹھ کو درختوں سے رگڑتا رہتا ہے یہاں تک کہ ہلاک ہو جاتا ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ وہ کبھی بادل کی گرج سنتا ہے تو اس کو جانور باور کر کے اس کی طرف بھاگتا ہے اور اس کو مارنے کے لئے پہاڑ کی چوٹیوں پر چڑھ جاتا ہے اور وہاں سے بادل کی آواز کی طرف کودتا ہے اور گر کر پاش پاش ہو جاتا ہے۔

گھڑیال۔ بَرلُو۔ گراہ

ہندوستان کے دریاؤں میں نیلِ مصر کی طرح گھڑیال پائے جاتے ہیں (اس مماثلت کے

---

[1] بمبئی سے منگلور تک کا علاقہ۔

پیش نظر) جاحظ نے اپنی سادہ لوحی اور دریاؤں کی رہگذر اور سمندروں کی شکل وصورت سے ناواقفیت کی بنا پر خیال کر لیا کہ دریائے سندھ (مہران) نیل مصر کی ایک شاخ ہے ہندوستانی دریاؤں میں عجیب وغریب جانور پائے جاتے ہیں۔ جیسے مگر اور طرح طرح کی حیران کن مچھلیاں، اور ایک جانور مشک کی طرح ہوتا ہے جو کشتیوں کے سامنے آکر تیرتا اور کھیلتا ہے۔ اس کو برلو کہتے ہیں، میرا خیال ہے کہ دلفین (DOLPHIN) یا اس کی کوئی قسم ہے کیونکہ لوگ بتلاتے ہیں کہ اس کے سر پر سانس لینے کے لئے ایک شگاف ہوتا ہے جیسا کہ دلفین مچھلی کے سر پر ہوتا ہے۔

گراہ

ہندوستان کے جنوبی دریاؤں میں گراہ نامی ایک جانور پایا جاتا ہے جس کو کبھی جلتنت اور تندوہ بھی کہتے ہیں یہ پتلا اور خوب لمبا ہوتا ہے، باخبر لوگوں کا بیان ہے کہ گراہ پانی میں داخل ہونے والے کی خواہ وہ انسان ہو یا جانور تاک میں رہتا ہے اور دور رہتے ہوئے اس کے جسم میں لپٹنے لگتا ہے یہاں تک کہ جب اس کا سارا جسم لپٹ چکتا ہے تو وہ سمٹتا اور سکڑتا ہے اور اپنے شکار کے پیروں پر لپٹ کر اس کو ہلاک کر دیتا ہے۔ ایک عینی شاہد نے مجھے بتایا کہ گراہ کا سر کتے کی مانند ہوتا ہے اور اسکی دم میں بہت سی لمبی لمبی شاخیں ہوتی ہیں جن کو وہ جانور پر اس کو غافل پاکر لپیٹ دیتا ہے اور اسطرح شکنجہ میں کس کر وہ اسکو دم کیطرف کھینچتا ہے اور دم کو اس مضبوطی سے اپنے شکار پر کس لیتا ہے کہ اس کا نکلنا ناممکن ہوجاتا ہے۔

بزرگ بن شہریار[1] (دسویں صدی کا ربع ثالث): —

زہریلے سانپ

مجھ سے منصورہ (سندھ) کے ایک باشندے نے بیان کیا جسنے مانکیر[2] (مارکین) کا سفر

---

[1] عجائب الہند، طبع لائڈن ص ۵ [2] مانکھید، راشٹر اکوٹا راجاؤں کا پایۂ تخت مراد ہے گلبرگہ سے تین سو بچاس میل جنوب میں۔

کیا تھا۔ مانکیر ایک شہر ہے جس کے اور ساحل لار[1] (الاد) کے درمیان سینکڑوں فرسخ مسافت ہے اور یہاں راجہ بلہرا (لہلوا) کی حکومت ہے کہ مانکیر کے بعض پہاڑوں میں چھوٹے، زہریلے چتکبرے اور مٹیلے سانپ ہوتے ہیں۔ اگر یہ سانپ انسان کو دیکھ لے لیکن انسان اس کو نہ دیکھے تو سانپ مرجاتا ہے اور اگر انسان دیکھ لے اور سانپ اس کو نہ دیکھے تو انسان مرجاتا ہے اور اگر وہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ لیں تو دونوں مرجاتے ہیں، یہ سانپ بیحد زہریلا اور موذی ہوتا ہے۔

مجھے جعفر بن راشد معروف بہ ابن لاکیس نے جو بلاد ذہب (جنوب مغربی ہندوستان و سماترا) کا ایک مشہور بحری کپتان تھا بیان کیا کہ صیمور[2] کی کھاڑی میں ایک سانپ آیا اور ایک بڑے گھڑیال کو نگل گیا۔ یہ خبر صیمور کے گورنر کو موصول ہوئی تو اس نے سانپ پکڑنے کے لئے آدمی مامور کئے جن کی تعداد بڑھتے بڑھتے تین ہزار سے زیادہ ہو گئی۔ انھوں نے سانپ پکڑ لیا اور اس کی گردن میں رسیاں باندھیں، بہت سے سپیرے بھی جمع ہو گئے اور انھوں نے سانپ کے دانت اکھاڑ دیے (اس عمل میں اسکے سر سے کان تک کا حصہ زخمی ہو گیا) اس کی پیمائش کی گئی تو ساٹھ فٹ (چالیس ذراع) نکلا، لوگ اس کو گردنوں پر اٹھا لے گئے، اسکے وزن کا اندازہ کئی ہزار پونڈ کیا گیا، یہ ۲۹۵ھ (۱-۹۰۰ء) کا واقعہ ہے[3]۔

ایک ملاح نے کیولان (کولم ملی) کے سانپوں کے حالات بیان کئے جن کو سن کر حیرت ہوتی ہے، اس نے بتایا کہ وہاں ناغران[4] نامی ایک سانپ ہوتا ہے جس کے جسم پر نقطے ہوتے ہیں اور سر پر بھورے رنگ کی صلیب بنی ہوتی ہے، بہ حسب جسامت اپنا سر زمین سے ایک یا دو ہاتھ (ذراع) اونچا اٹھاتا ہے اور پھر سر اور کنپٹیوں کو اتنا پھلاتا ہے کہ وہ کتے کے سر کی طرح

---

[1] کاٹھیاواڑ سے گوا تک کا ساحلی علاقہ [2] چول موجودہ ضلع کولابا کا ایک مشہور تجارتی بندرگاہ
[3] سلسلۃ التواریخ ص ۱۴۳-۱۴۲ [4] غالباً ناگ کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔

ہو جاتا ہے۔ یہ سانپ اتنا تیز بھاگتا ہے کہ اس کو کوئی نہیں پکڑ سکتا اور اگر وہ خود پکڑنا چاہے تو تیز سے تیز بھاگنے والے کو پکڑ لیتا ہے، جب کسی کو ڈستا ہے تو وہ ہلاک ہو جاتا ہے۔ کیولان (کولم ملی کیرالا) میں ابن خالد نامی ایک مسلمان ہے، صوم صلوٰۃ کا پابند، اس کو مقامی زبان میں بجی کہتے ہیں، وہ سانپ کاٹے کا منتر جانتا ہے۔ کبھی کبھی اگر مار گزیدہ کے خون میں زہر جڑ پکڑ لیتا ہے تو منتر کا اثر نہیں ہوتا لیکن زیادہ تر لوگ بچ جاتے ہیں۔ جن پر بجی منتر سے کرتا ہے ناغراں اور دوسرے سانپوں کے کاٹے کا یہاں بہت سے ہندو بھی منتر کرتے ہیں لیکن بجی کا منتر کم ہی خطا کرتا ہے۔

مجھ سے ابوالحسن نے محمد بن بابشاد (سیرافی) کے حوالہ سے بیان کیا کہ لنکا کے بالمقابل ہندوستان کے ساحلی علاقہ (غب سرندیپ) پر میں نے سانپوں اور سانپ کا منتر کرنے والوں کے دلچسپ اور حیرت انگیز مشاہدات کئے۔ میں نے برسبہ سے قریب ایک شہر میں دیکھا کہ جب کسی کو زہریلا سانپ کاٹ لیتا تو وہاں کے لوگ سانپ کے کٹے پر منتر پڑھتے تھے اگر سانپ کٹا منتر سے ٹھیک نہ ہوتا تو اس کو لکڑی کے ایک تخت پر لٹا کر سمندر میں گرنے والے دریا میں چھوڑ دیتے، یہاں کے سارے یا اکثر باشندوں کے مکان دریا کے کنارے واقع ہیں اور سب جانتے ہیں کہ سانپ کے کٹے کو تخت پر ڈال کر پانی میں ڈالا جاتا ہے۔ باشندوں میں سے جس جس کو سانپ کاٹے کا منتر آتا ہے وہ تخت کو روک کر منتر پڑھتا ہے، اگر منتر کارگر ہو جائے تو سانپ کٹا کھڑا ہو کر پیروں پیروں اپنے گھر چلا جاتا ہے اور اگر فائدہ نہ ہو تو منتر کرنے والا تخت کو پانی میں چھوڑ دیتا ہے اور اس طرح سارے شہر کے ہوشیار منتر والے گزیدہ پر اپنے علم کی آزمائش کرتے ہیں، اگر منتر کارگر ہو جائے تو وہ کھڑا ہو جاتا ہے ورنہ منتر کرنے والا تخت کو پانی میں چھوڑ دیتا ہے، اس طرح وہ تخت شہر کے آخر تک چلا جاتا ہے۔ اگر (کسی کا بھی) منتر کارگر نہ ہو تو دریا میں بہتے بہتے تخت سمندر میں گر کر ڈوب

لہ عجائب الہند صـ۱۲۰

جاتا ہے[1]۔

ابن فضل اللہ عمری[2] (چودھویں صدی کا ربع ثانی):۔

شیخ بہاء الدین بن سلامہ خطیب نے ہندوستان کے دیگر حالات کے ضمن میں مجھ سے یہ واقعہ بیان کیا:۔ ہم نے ایک بندر پر لنگر ڈالا جس کے ایک طرف کھیتی تھی، ہم کھیت کے کنارہ فروکش ہوگئے، ہمارا ایک ساتھی جو بڑا تاجر اور مالدار آدمی تھا، پیٹ کے بل لیٹ گیا، اس کا پیر پھیلا ہوا تھا، کھیت کے آخر سے ایک سانپ نکلا اور اس کے پیر میں کاٹ لیا، اس کے بعد سانپ جہاں سے آیا تھا وہاں چلا گیا، تاجر بے ہوش ہوگیا، ہم نے اس کو پلانے کے لئے تریاق نکالنا چاہا کہ ایک مقامی ہندو نے کہا: تریاق سے کام نہیں چلے گا، اگر آپ ساتھی کی زندگی چاہتے ہو تو سانپ کے منتر والے کو بلاؤ۔ ہماری خواہش پر وہ ایک شخص کو جو سانپ کاٹے کا منتر جانتا تھا بلا لایا۔ منتر والے نے سو دینار (پانچ سو روپے) فیس مانگی، ہم دینے کے لئے تیار ہوگئے اس نے ابھی منتر کے چند بول بھی پوری طرح زبان سے ادا نہیں کئے تھے کہ سانپ آگیا منتر والا: اس سے کوئی کچھ نہ بولے۔ سانپ پیر کے پاس گیا اور وہ جگہ چوسی جہاں کاٹا تھا، اسکے بعد وہ لوٹ گیا، مارگزیدہ کھڑا ہوگیا۔ گویا اس کو کچھ ہوا ہی نہ ہو، ہم نے سو دینار ادا کر دیئے، ہمیں منتر کی کرامات پر بڑی حیرت ہوئی۔ ہم نے وہ جگہ چھوڑ دی اور بندرگاہ لوٹ آئے۔

ہاتھی

مسعودی[3] (دسویں صدی ربع ثانی):۔

ہندو ہاتھی پالتے ہیں اور ہندوستان میں ہاتھی پیدا بھی ہوتا ہے لیکن یہاں جنگلی ہاتھی

---

[1] سلسلۃ التواریخ ص۱۳۱-۱۳۲۔ [2] مسالک الابصار قلمی ۲/۷۹۔ یہ اقتباس نویں یا دسویں صدی کی کسی کتاب سے ماخوذ ہے۔ [3] مروج الذہب، مصر، ۲/۸-۱۳

نہیں ہوتے بلکہ یا تو لڑائی کے لئے سدھائے ہوئے ہاتھی ہوتے ہیں یا ایسے جو گائے اور راو کی طرح باربرداری کا کام کرتے ہیں اسلامی علاقوں کی بھینسوں کی طرح بیشتر ہاتھی مرغزا اور زیرآب نشیبی جنگلوں میں رہتے ہیں۔ جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا ہاتھی اس جگہ سے بھاگ ہے جہاں گینڈا موجود ہو، وہ ایسی جگہ چرتا تک نہیں جہاں سے اس کو گینڈے کی بو آتی: ہاتھی تقریباً چار سَو برس جیتا ہے، یہ رائے افریقہ کے لوگوں کی ہے جن کے ملک اور جنگلو میں ہاتھی پایا جاتا ہے، بڑے ہاتھی کو جان سے مارنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ بعض ہاتھی کالے.. ہوتے ہیں، بعض سفید، بعض چتکبرے اور بعض خاکستری، ہندوستان میں کچھ ہاتھی سَو سے دو سَو برس تک زندہ رہتے ہیں۔ ہاتھی کے سات برس میں بچہ پیدا ہوتا ہے۔

ہندوستان میں ہاتھی کو ایک قسم کے جانور سے جس کو زبرق کہتے ہیں سخت خطرہ کا سامنا رہتا ہے۔ یہ لال روئیں والا جانور تیندوے سے چھوٹا ہوتا ہے، اس کی دو عجیب سی چمکدار آنکھیں ہوتی ہیں۔ وہ بہت تیزی سے کودتا ہے، ایک جست میں پنیتالیس ساٹھ اور چھتر فٹ تک بلکہ اس سے بھی زیادہ چھلانگ لگا لیتا ہے۔ ہاتھی کے پاس پہنچ کر یہ اس پر دم سے اپنا پیشاب چھڑکتا ہے، جس سے ہاتھی جل مرتا ہے۔ کبھی کسی آدمی کو آلیتا ہے اور اس کو ختم کر ڈالتا ہے۔ بعض لوگ زبرق کو دیکھ کر ساگون کے بلند ترین درخت پر چڑھ جاتے ہیں، یہ درخت کھجور اور ناریل سے اونچا زیادہ ہوتا ہے۔ اگر آدمی ساگون کے سب سے اونچے گدّھے پر چڑھ جائے اور زبرق اس تک نہ پہنچ سکے تو وہ زمین سے جھپٹ کر گدّھے کی طرف جست لگاتا ہے اور اگر اب بھی آدمی تک پہنچنے میں کامیاب نہیں ہوتا تو گدّھے پر اپنے پیشاب کی بوچھار کردیتا ہے اور اگر پیشاب کی بھی آدمی تک رسائی نہیں ہوتی تو وہ زمین پر اپنا سر رکھ دیتا ہے اور ایک عجیب انداز سے چیختا ہے جس کے زیر اثر خون کے لوتھڑے اس کے منھ سے خارج ہوتے ہیں اور وہ فوراً مرجاتا ہے۔ درخت کے جس حصہ پر بھی اس کا پیشاب گرجائے وہ حصہ جل جاتا ہے اور اگر آدمی پر اس کے پیشاب

کی چھینٹ پڑ جائے تو وہ بھی نہیں بچتا اور یہی حال باقی جانداروں کا ہے۔ ہندوستان کے راجہ زبرق کا پتا خفیہ اور جسم کے کچھ حصے اپنے خزانوں میں رکھتے ہیں، یہ اشیاء قاتل زہر کی طرح مہلک ہوتی ہیں اور جب ہتھیار کو ان کا زہر لگا دیا جائے اس کا مارا ہوا جانبر نہیں ہوتا۔

ہاتھی کی طرح زبرق بھی اس جگہ نہیں پنپ سکتا جہاں گینڈا ہو۔ ہاتھی بلی سے بھی بھاگتا ہے، بلی کو دیکھ کر وہ اس کے سامنے بالکل نہیں ٹھہر سکتا۔ فارسی بادشاہوں کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ میدان جنگ میں دشمن کی چالوں کو بے کار کرکے اور اس کے جنگی ہاتھیوں سے اپنی مدافعت کے لئے ان پر بلیاں چھوڑ دیتے تھے اور ہندوستان و سندھ کے راجہ بھی آج تک یہی حربہ استعمال کرتے ہیں۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ہاتھی سور سے بھاگتا ہے ایک شخص ہارون بن موسیٰ موالی آزد میں سے ملتان میں رہتا تھا جو سندھ کی سرزمین میں واقع ہے، وہ شاعر تھا اور بڑا بہادر، وہ اپنی قوم کا رئیس بھی تھا اور سندھ کے اس حصہ میں حکومت کرتا تھا جو ملتان کی عملداری سے متصل ہے۔ وہ اپنے ایک قلعہ میں تھا کہ اس کا ہندوستان کے ایک راجہ سے مقابلہ ہوا، ہندوؤں نے اپنی فوج کے سامنے ہاتھیوں کا ایک دستہ بڑھا دیا ہارون اپنی فوج کی صف سے نکلا اور دشمن کے بڑے ہاتھی کا رخ کیا، اس نے اپنے کپڑوں میں ایک بلی چھپا رکھی تھی، اپنے حملہ کے دوران جب وہ ہاتھی کے پاس پہنچا تو اس نے اس پر بلی چھوڑ دی ہاتھی بلی کو دیکھتے ہی بھاگ پڑا، اب باقی لشکر کے بھی پیر اکھڑ گئے، راجہ مارا گیا، اور مسلمان فتحیاب ہوئے۔

ہاتھی صرف افریقہ اور ہندوستان میں پیدا ہوتا ہے لیکن ہندی اور سندھی ہاتھیوں کے دانت اتنے بڑے نہیں ہوتے جتنے افریقہ کے ہاتھیوں کے ہوتے ہیں۔ افریقہ اور ہندوستان کے باشندے ہاتھیوں کی کھال سے ڈھالیں بناتے ہیں جو مضبوطی اور پائیداری میں چین، تبت اور بجاد کی ڈھالوں سے بہتر ہوتی ہیں۔۔۔ ہاتھی کی سونڈ اس کی ناک کا کام دیتی ہے۔

اس کے ذریعہ وہ کھانا اور پانی پیٹ تک پہنچاتا ہے۔ سونڈ نرم ہڈی، گوشت اور پٹھوں سے مرکب ہوتی ہے، اس کے ذریعہ ہاتھی لڑتا ہے، اس سے ضرب لگاتا ہے اور چیختا ہے لیکن اس کی آواز اس کی جسامت کے لحاظ سے چھوٹی ہوتی ہے... ہر زبان دار جانور کی زبان کی جڑ اندر کی طرف ہوتی ہے اور زبان کا سرا باہر کی طرف، لیکن ہاتھی ایسا جانور ہے کہ اسکی زبان کا سرا اندر کی طرف ہوتا ہے اور جڑ باہر کی طرف۔ ہندوؤں کی رائے ہے کہ اگر ہاتھی کی زبان مقلوب نہ ہوتی اور اس کو بولنا سکھایا جاتا تو وہ بولنا سیکھ لیتا ہندو سب جانوروں سے زیادہ ہاتھی کی قدر و منزلت کرتے ہیں کیونکہ اس میں عمدہ خوبیاں پائی جاتی ہیں۔ مثلاً وہ بلند قامت، جسیم، وجیہ اور خوش منظر ہوتا ہے۔ اس کی آواز پتلی ہوتی ہے، سونڈ لمبی کان بڑے، آلہ تناسل لمبا چوڑا۔ اس کے علاوہ اس کی چاپ ہلکی ہوتی ہے، عمر دراز، جسم بھاری، زیادہ سے زیادہ بوجھ کو خاطر میں نہیں لاتا، اتنا بھاری بھرکم ہونے کے باوجود اسکی چال اتنی ہلکی اور متوازن ہوتی ہے کہ آدمی کے پاس سے گذر جاتا ہے لیکن اسکو اس وقت تک ہاتھی کی چاپ کا احساس نہیں ہوتا جب تک کہ وہ اس کے بالکل برابر نہیں آجاتا۔

بزرگ بن شہریار[1] (دسویں صدی کا ربع ثالث):۔

ایک باخبر شخص نے مجھے بتایا کہ اس نے ہندوستان کے کسی شہر میں ہاتھی دیکھے جو اپنے مالکوں کے کام کاج کرتے تھے۔ ہاتھی کو سودے کا برتن دے دیا جاتا ہے اور اس میں کوڑیاں جن کے ذریعہ باشندے خرید و فروخت کرتے ہیں رکھ دی جاتی ہیں اور مطلوبہ چیز کا نمونہ۔ برتن لے کر ہاتھی بنئے کی دوکان پر جاتا ہے، بنیا اس کو دیکھ کر سارے کام چھوڑ دیتا ہے اور کسی گاہک کو سودا نہیں دیتا چاہے کتنا ہی بڑا آدمی ہو، ہاتھی سے برتن لیتا ہے، کوڑیاں گنتا ہے اور نمونے دیکھتا ہے۔ پھر ہاتھی کو نہایت سستے داموں چیز دیتا ہے اور سب سے عمدہ اور

---

[1] عجائب الہند ص ۱۶۳-۱۶۴

اگر ہاتھی کوئی چیز بڑھوانا چاہے تو بنیا بڑھا دیتا ہے۔ کبھی بنیا کوڑیاں گننے میں غلطی کرتا ہے تو ہاتھی سونڈ سے کوڑیوں کو الٹ پلٹ دیتا ہے، بنیا دوبارہ کوڑیاں گنتا ہے، ہاتھی سودا لے کر لوٹ جاتا ہے، کبھی اس کا مالک چیز کو کم سمجھ کر ہاتھی کو مارتا ہے تو وہ پھر بنئے کی دوکان پر جاتا ہے اور اسکا سامان الٹ پلٹ اور گڈ مڈ کر دیتا ہے۔ بنیا یا تو چیز بڑھا دیتا ہے یا کوڑیاں لوٹا دیتا ہے۔ ایسا سدھا ہاتھی جھاڑو دیتا ہے، چھڑکاؤ کرتا ہے جس کو سونڈ میں پکڑ کر اوکھلی میں دھان کوٹتا ہے اور ایک آدمی اس کے لئے دھان جمع کرتا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ وہ چاول پیستا ہے، دریا یا کنویں سے پانی بھرتا ہے۔ پانی کے برتن میں ایک رسی پڑی ہوتی ہے جس میں سونڈ ڈال کر وہ اٹھا لے جاتا ہے۔ گھر کے سب کام کاج کر لیتا ہے۔ کسی کام کے لئے اس کے مالک کو اگر دور جانا ہو تو اس پر سوار ہو کر جاتا ہے۔ لڑکا اس کی پیٹھ پر بیٹھ کر اسے جنگل میں لے جاتا ہے، ہاتھی سونڈ سے گھاس اور پتے توڑتا ہے اور لڑکے کو دیتا ہے اور وہ انہیں کسی برتن میں محفوظ کرتا جاتا ہے۔ ہاتھی چارہ لاد کر گھر لے جاتا ہے اور وہاں کھاتا ہے، ایسا سدھا ہاتھی مہنگا ہوتا ہے اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس کی قیمت پانچ ہزار روپے (دس ہزار درہم) ہوتی ہے۔[1]

ادریسی (بارہویں صدی کا ربع ثالث):۔

اس بارے میں اختلاف رائے ہے کہ ہاتھی کا شکار کس طرح کیا جاتا ہے اور اس موضوع پر بہت کچھ کہا گیا ہے۔ بعض لوگوں کی رائے ہے کہ ہاتھی کا شکار کرنے والے اس جگہ جاتے ہیں جہاں ہاتھی رات گذارتے ہیں اور جہاں ان کی بود و باش ہوتی ہے وہاں وہ اس طرح کے گڑھے کھودتے ہیں جیسے (شمالی افریقہ کے) بربر لوگ شیر کا شکار کرنے کے لئے کھودتے ہیں۔ یہ گڑھے اوپر سے فراخ اور نیچے سے تنگ ہوتے ہیں۔ ان پر ٹہنیاں اور

---

[1] نزہۃ المشتاق قلمی ۱/۱۳۰ - ۱۳۱ -

گھاس پھونس ڈال دیا جاتا ہے اور اوپر سے مٹی پھیلا کر ان کی سطح برابر کردی جاتی ہے اور اُ
گڑھا نظر سے اوجھل ہو جاتا ہے۔ جب ہاتھی اس جگہ آتے ہیں جہاں رات گذارنے کے عادی
ہیں یا ان راستوں سے گذرتے ہیں جن سے ہو کر عادتاً پانی پینے جاتے ہیں اور گڑھے پر پہنچتے ہیں
ان میں سے اگلا سر کے بل گڑھے میں گر جاتا ہے اور باقی ہاتھی بھاگ جاتے ہیں۔ شکاری اپنے ٹھکا
سے گرنے والے ہاتھی کو دیکھ کر بھاگ کر گڑھے میں گھس جاتے ہیں اور اس کے ہاتھ پیر بغلو
رانوں سے الگ کر کے پیٹ چاک کر دیتے ہیں۔ جب وہ مر جاتا ہے تو سب مل کر اس کے ٹکڑے
ہیں اور گڑھے سے باہر نکال لاتے ہیں اور اس کے دانت اور ہڈیاں لے جاتے ہیں۔

بہت سے ہندی قصوں میں اس بات کی تصریح ہے کہ ہندوستان میں ہاتھی قطار
چلتے ہیں اور جنگلوں میں دو دو، تین تین، چار چار مل کر رات گذارتے ہیں۔ ان کے سونے کا طر
ہے کہ وہ درخت کے تنے پر ٹیک لگا لیتے ہیں اور ان کے ساتھی ایک دوسرے پر۔ اس
وہ کھڑے کھڑے سو لیتے ہیں (کھڑے کھڑے سونے کی وجہ یہ ہے کہ ان کے ہاتھ پیروں کے جو
اور ربلے ہوتے ہیں۔ شکاری دن میں ان درختوں کے پاس جاتے ہیں اور ان کے تنے جڑ
پاس تھوڑا سا چھوڑ کر کاٹ ڈالتے ہیں، جب رات کو حسب عادت ہاتھی درختوں سے
لگا کر سونے آتے ہیں اور ایک دوسرے کا سہارا لے کر کھڑے ہوتے ہیں تو کٹے تنوں کے
سے درخت ٹوٹ کر گر پڑتے ہیں اور ان کے ساتھ ہاتھی بھی گرنے کے بعد ہاتھی کھڑے ہو
قاصر رہتے ہیں۔ شکاری چھپے ہوئے آتے ہیں اور ان کے سروں پر ڈنڈے برسا کر مار ڈالتے
ہاتھی دانت نکال لیتے ہیں اور سوداگروں کے ہاتھ مہنگے داموں بیچتے ہیں۔ سوداگر ہاتھی د
مختلف ملکوں میں بیچنے کے لئے لے جاتے ہیں۔ یہ مرصع کاری کے بہت سے کاموں میں استع
ہیں۔ متعدد اشخاص نے بیان کیا ہے کہ ہاتھی کے دو بڑے دانتوں کا وزن سو لہ قنطار[۱]

---

[۱] سو پونڈ کا وزن۔

بھگ ہوتا ہے۔

تجارت کے لئے ہندوستان کا سفر کرنے والے سوداگر ہاتھی کی ولادت کے بارے میں بتاتے ہیں کہ ہتھنیاں کھڑے پانی میں بچے دیتی ہیں، ولادت کے بعد مائیں جلد ان کو پیروں پر کھڑا کرکے پانی سے باہر لے آتی ہیں اور ان کے جسم اس قدر چاٹتی ہیں کہ وہ خشک ہوجاتے ہیں، بچوں کو آہستہ آہستہ چلنے کی مشق کرائی جاتی ہے یہاں تک کہ وہ پوری طرح بڑھ جاتے ہیں۔ فتبارک اللہ احسن الخالقین۔

چار پیر والی مخلوق میں ہاتھی سے زیادہ سمجھدار اور تعلیم قبول کرنے والا کوئی دوسرا چوپایہ ہمیں معلوم نہیں ہے۔ اس کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ وہ انسان کی شرمگاہ کی طرف کبھی نہیں دیکھتا۔

ہندوستان کے راجاؤں میں ہاتھیوں کے حصول کے لئے ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی دوڑ رہتی ہے اور وہ بڑی بڑی قیمتیں دے کر ہاتھی خریدتے ہیں اور ان کی خصوصی دیکھ بھال کرتے ہیں، ہاتھی کے بچے خرید کر شاہی اصطبلوں میں رکھتے ہیں جہاں وہ آدمی سے مانوس ہو کر پلتے بڑھتے ہیں۔

ہاتھی سے جنگی خدمت لی جاتی ہے، ایک بڑے زرہ پوش ہاتھی کی پیٹھ سے بارہ آدمی ڈھالوں، تلواروں اور آہنی ملوں سے لڑتے ہیں۔ ہر ہاتھی کے سر پر ایک آدمی ہوتا ہے جو لوہے کے ایک ہک سے اس کو ہانکتا ہے اور (بوقت ضرورت) اس کو ہاتھی کی ناک میں ڈال کر کھینچتا ہے۔ اور ایک ڈنڈا جو ہاتھی کے لئے خاص طور سے بنایا جاتا ہے اس کی کھوپڑی پر رسید کرتا ہے، اس کے ذریعہ ہاتھی کو ایک سمت سے دوسری سمت کی طرف موڑا بھی جاتا ہے۔

دریا

مسعودی[1] (دسویں صدی ربع ثانی):

---

[1] التنبیہ والاشراف، لائڈن، صفحہ ۵۵-۵۹

دریائے سندھ

بحرِ عرب (بحرِ حبشی) میں گرنے والے بڑے دریاؤں میں دریائے سندھ پانچویں اقلیم کے ان چشموں سے نکلتا ہے جو بالائی سندھ[1] اور اس کے پہاڑوں نیز راجہ قنوج بؤورہ[2] کی قلمرو میں واقع ہیں اور سرزمین کشمیر، گندھارا (قندھار) اور پنجاب (طاقن) سے گذرتا ہوا ملتان تک پہنچتا ہے۔ ملتان کے معنی ہیں سونے کی سرحد (فرج الذہب) یہاں سندھ دریا کو مہران کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ پھر وہ منصورہ[3] کی عملداری میں جا پہنچتا ہے اور سندھ کے ساحلی شہر دیبل سے آٹھ میل (دو فرسخ) دور سمندر میں گرتا ہے منصورہ اور سمندر کے درمیان سات دن کی مسافت ہے۔ مہران میں سونگشمار[4] یعنی نگر پائے جاتے ہیں جیسے کہ دریائے نیل میں ہوتے ہیں جس وقت نیل کا پانی چڑھتا ہے (اواخر جون میں) اسی زمانہ میں مہران میں بھی طغیانی آتی ہے۔

(زیریں سندھ کے آس پاس) بارہ سو میل (تین سو فرسخ) کے حدود میں زیرآب نشیبی علاقے اور بانس نیز سرکنڈے کے بڑے بڑے جنگل پائے جاتے ہیں، یہاں سندھ کی مبد

---

[1] تحقیقی رائے کے مطابق دریائے سندھ کا منبع ہمالیہ پہاڑ کی وہ برف پوش چوٹیاں ہیں جن کو مجموعی طور پر کیلاش کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، یہ پہاڑیاں سندھ کے حدود سے بہت دور واقع ہیں۔ [2] بؤورہ سے شائد راجہ بھوج مراد ہے جو مسعودی کے سفر ہند کے لگ بھگ یعنی ۱۹۱۵ء میں قنوج کا راجہ تھا۔ اس کی حکومت شمال میں نیپال، کشمیر اور پنجاب تک وسیع تھی۔ بعض محقق بؤورہ کو پڑی ہارا کی تصحیف قرار دیتے ہیں جو پراکرت زبان میں پرتی ہارا کی بدلی ہوئی شکل ہے پڑی ہارا سے قنوج کے گرجر پرتی ہارا خاندان کے راجہ مراد لئے جاتے ہیں۔ ہو دیوا لاٹ ۲۵ وراء ۸/۷۹۵ [3] موجودہ حیدرآباد سندھ سے تقریباً پچاس میل شمال مشرق میں عرب سندھ کا پایۂ تخت [4] سنسکرت میں اشستار کہتے ہیں۔

اسی قوم رہتی ہے، ان کی بہت بڑی آبادی ہے اور یہ اہل منصورہ سے برسرپیکار رہتے ہیں۔ میدوں کی مسلح کشتیاں سمندر میں ان اسلامی جہازوں پر چھاپے مارتی رہتی ہیں جو سندھ، ہندوستان، جدہ، قلزم اور دوسری سمتوں میں جاتے ہیں جس طرح یونانیوں کے مسلح جہاز بحر روم میں چھاپے مارتے ہیں۔

ابوعثمان عمرو بن بحر جاحظ نے اپنی کتاب میں جس کا موضوع شہروں کے حالات اور ملکوں کے عجائبات ہیں تصریح کی ہے کہ دریائے سندھ اور نیل مصر دونوں کا منبع ایک ہے، جاحظ نے یہ رائے اس بنا پر دی ہے کہ دونوں دریاؤں میں طغیانی ایک ہی زمانہ میں آتی ہے، دونوں میں گھڑیال پائے جاتے ہیں اور دونوں سے متعلقہ اراضی میں زراعت کا طریقہ ایک سا ہے میری سمجھ میں نہیں آتا کہ جاحظ کس طرح ایسی (پوچ) بات کہہ گیا، گھڑیال تو ہندوستان کی اکثر کھاڑیوں (اخوار) میں موجود ہیں .... ان گھڑیالوں سے انسان اور حیوان دونوں کو نقصان پہنچتا ہے جس طرح مصریوں اور ان کے مویشیوں کو نیل کے گھڑیالوں سے پہنچتا ہے دریائے سندھ کی لمبائی شروع سے آخر تک تقریباً دو ہزار میل (پانچ سو[1] فرسخ) ہے۔ بعض لوگ اس سے بھی زائد بتاتے ہیں۔

گنگا

بحر عرب (بحر حبشی) میں گرنے والے بڑے دریاؤں میں ہندوستان کی مشہور ندی گنگا (جنجس) ہے۔ یہ دریائے سندھ سے زیادہ بڑی ہے[2]۔ اس کے کنارہ پر بہت سی

[1] ریڈرس ڈائجسٹ ورلڈ گریٹ اٹلس صفحہ ۱۴۴ پر سندھ دریا کی لمبائی انیس سو اسی میل درج ہے اس اعتبار سے مسعودی کا فرسخ لگ بھگ چار میل کے بقدر ہوتا ہے۔

[2] گنگا لمبائی میں دریائے سندھ سے کئی سو میل کم ہے لیکن مرتبہ میں اس سے زیادہ ہے شاید مسعودی کی مراد یہاں .... دوسرے معنی سے ہے۔

ہندی اور غیر ہندی قومیں آباد ہیں۔ گنگا ایک پہاڑ سے نکلتی ہے جو تبت[1] کے اطراف میں ہے یہاں اور تبت کے درمیان کا علاقہ غیر آباد ہے۔ (پھر وہ شمالی اور مشرقی ہند کے میدانوں سے بہتی ہوئی) اس سمندر میں گرتی ہے جو ننگوں کے جزیرہ[2] (بحر بنگال) سے متصل ہے۔ گنگا کی لمبائی منبع سے دہانے تک تقریباً سولہ[3] سو میل (چار سو فرسخ) اور بقول بعض دو ہزار میل (پانچسو فرسخ) ہے۔ اسی ندی کے کنارہ سکندر بن فیلبس اور ہندوستان کے راجہ فور (پورس) کا مقابلہ ہوا تھا اس معاملہ میں ہندوستان کے سب لوگ متفق الرائے ہیں[4]۔

دریائے ہندمند[5] کے منبع کے بارے میں اختلاف رائے ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ دریا سندھ و ہند کے پہاڑوں کے چشموں سے نکلتا ہے اور کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ اسکا اور گنگا (گنگ) کا منبع ایک ہے۔ گنگا ہندوستان کا دریا ہے، وہ سندھ[6] کے بہت سے پہاڑوں سے گذرتا ہوا نہایت تیز بہتا ہے، اس کے کنارے اکثر ہندو لوہے سے اپنے جسموں کو تکلیفیں پہنچاتے ہیں اور دنیا سے بے رغبتی اور اس سے رہائی کے شوق میں گنگا میں ڈوب مرتے ہیں، یا وہ بالائی گنگا پر واقع ایک مقام پر جاتے ہیں جہاں اونچے اونچے پہاڑ اور پرانے درخت پائے جاتے ہیں، جہاں مذہبی لوگوں کی ایک جماعت موجود رہتی ہے، اور سلاخیں نیز تلواریں، ان درختوں اور لکڑی کے تختوں پر نصب ہوتی ہیں۔ ہندو دور و دراز ملکوں اور شہروں سے وہاں آتے ہیں اور ان مذہبی لوگوں کا وعظ سنتے ہیں جس میں ترک دنیا کی ترغیب ہوتی ہے۔ پھر ان پہاڑوں

۱؎ جدید تحقیق کی رو سے گنگا کا منبع گڑھوال میں گنگوتری نام کے ایک برف پوش غار میں پایا جاتا ہے

۲؎ اس سے جزائر نکوبار مراد ہیں جہاں لوگ برہنہ رہتے تھے ۳؎ صحیح لمبائی پندرہ سو میل ہے۔

۴؎ مروج الذہب ۱/۲۰۰ ۵؎ ہندمند سے افغانستان کا ہلمند دریا مراد ہے جو ہندوکش پہاڑ سے

۶؎ یہ رائے عدم واقفیت پر مبنی ہے، گنگا کا سندھ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

۷؎ التنبیہ والاشراف ص۸۶۔

JAMIA CENTRAL LIBRARY NEW DELHI-25

کی چوٹیوں سے پہاڑ نے درختوں اور نصب کی ہوئی لوہے کی سلاخوں اور تلواروں پر کود پڑتے ہیں ان کا جسم ٹکڑے ٹکڑے ہو کر گنگا میں بہہ جاتا ہے[1]۔

نویری (چودہویں صدی کا ربع اول)،

گنگا ایک دریا ہے جس کی ہندو تعظیم کرتے ہیں، سرزمین کشمیر سے نکلتا ہے اور بالائی ہندوستان سے ہو کر گذرتا ہے۔ ہندوؤں کا دعویٰ ہے کہ وہ جنت کا دریا ہے اس لئے اس کو بے حد مقدس سمجھتے ہیں۔ اس دریا کی (ایک مبینہ) کرامات یہ ہے کہ اگر اس میں کوئی نجاست پڑ جائے تو اس کی فضا میں اندھیرا چھا جاتا ہے اور اسکے کناروں پر زلزلہ آجاتا ہے۔ آندھیاں اٹھ کھڑی ہوتی ہیں، بادل گرجنے لگتے ہیں اور دھواں دھار بارش ہونے لگتی ہے۔ عتبی (متوفی ۱۰۳۶ء) تاریخ یمینی[3] میں گنگا کے بارے میں لکھتا ہے:

یہ وہ دریا ہے جس کی عزت وعظمت کے ہندو تذکرے کرتے ہیں، ان کی رائے میں یہ اس چشمہ سے نکلا ہے جو جنت میں واقع ہے۔ ان کا کوئی مردہ جلایا جاتا ہے تو اس کی ہڈیوں کی راکھ گنگا میں بکھیر دی جاتی ہے۔ ان کا خیال ہے کہ ایسا کرنے سے مردہ کے گناہ دھل جاتے ہیں۔ بعض اوقات کوئی سادھو [illegible] خود کو گنگا میں غرق کر دیتا ہے وہ سمجھتا ہے کہ ایسا کرنا اس کی نجات کا باعث ہے۔ ہندو اس دریا کی بے حد تعظیم کرتے ہیں جب کوئی اخروی سرخروئی (نجات) کا طالب ہوتا ہے تو وہ جل مرتا ہے اور اسکی راکھ گنگا میں ڈال دی جاتی ہے یا وہ دریا کے کنارے آتا ہے جہاں ... بانس کے اونچے اونچے درخت ہوتے ہیں اور ایک جماعت ننگی تلواریں اور خنجر لئے ہوئے موجود رہتی، یہ

---

[1] التنبیہ والاشراف ص ۵۶۔

[2] نہایۃ الارب، مصر، ۱۹۲۹ء ۱/ ۲۶۱ - ۲۶۲۔

[3] یمین الدولہ محمود غزنوی کی تاریخ مراد ہے۔

شخص خود کو ایک بانس کے سرے سے باندھ دیتا ہے اور اپنے ہاتھ سے اپنا سر کاٹ ڈالتا ہے، سر بانس کے سرے میں لٹک جاتا ہے، دھڑ (دریا) میں گر پڑتا ہے یا طالب نجات کسی اونچی جگہ سے ننگی تلواروں اور خنجروں کے اوپر کود پڑتا ہے اور ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا ہے بعض ہندو دریا میں کود کر ڈوب مرتے ہیں۔

دمشقی[1] (چودھویں صدی کا ربع اول):-

بڑے اور مشہور دریاؤں میں سے ایک دریا گنگا ہے۔ ہندوؤں کی نظر میں اسکو بہت عزت حاصل ہے۔ یہ کشمیر کے پہاڑوں سے نکلتا ہے اور ہندوستان کے بالائی حصوں سے جنوب کی طرف[2] بہتا ہوا بحر ہند (خلیج بنگال) میں گرتا ہے۔ ہندوؤں کا خیال ہے کہ یہ جنت کا دریا ہے جس کو سمندر ہمیشہ مدوجزر کی شکل میں سجدے کرتا رہتا ہے۔ بنا بریں وہ اسکی بیحد تعظیم کرتے ہیں۔ جب کوئی مرتا ہے تو ہندو اس کو جلا کر اس کی راکھ گنگا میں ڈال دیتے ہیں تاکہ وہ جنت میں واقع دریا کے چشمہ میں چلا جائے اور اس کو آسمان پر ابدی زندگی نصیب ہو۔ ان کا خیال ہے کہ گنگا میں اس کی راکھ ڈالنے سے اس کے گناہ دور ہو جاتے ہیں۔ کبھی کوئی سنیاسی (ناسک) آتا ہے اور دریا میں گر کر ڈوب مرتا ہے کبھی کوئی دوسرا ہندو آتا ہے اور اس کے پانی میں نہاتا ہے، پھر اس کی طرف منھ کر کے باہر نکلتا ہے اور کنارے پر پہنچ کر وہاں کے ایک درخت[3] سے جو بید کی طرح نرم اور مضبوط ہوتا ہے اور دریا کے کناروں پر اگتا ہے اپنے بال باندھ دیتا ہے اور اپنے ساتھی سے کہتا ہے کہ خنجر سے میری گردن کاٹ دو یا میرا سر اڑا دو، ساتھی اس کی خواہش پوری کرتا ہے، سر لچکدار شاخ کے ساتھ ہوا میں اٹھ

---

۱ [1] نخبۃ الدہر، لیبزگ ۱۹۲۳ء ص۱۰۰۔ اقتباس نویں دسویں صدی کی کتابوں سے ماخوذ ہے۔

[2] متن میں: یجری فی أعالی الهند من ناحیۃ الجنوب ہے ہم نے الی ناحیۃ الجنوب قرار دے کر ترجمہ کیا ہے۔ [3] بانس مراد ہے۔

جاتا ہے اور سرزمین پر آ گرتا ہے۔ مرنے والے کا ساتھی اس کا دھڑ جلا دیتا ہے اور اس کی راکھ ہوا میں اڑا دیتا ہے۔ بعض ہندو خود اپنے ہاتھ سے اپنا سر کاٹ لیتے ہیں[1]۔

اس دریا میں ایک مخصوص جگہ ہے جہاں پانی گردش کرتا رہتا ہے۔ اور زور سے بہتا ہے، اس کا جگہ کا نام قلب گنگا ہے، اس کے عجائبات میں سے ایک عجیب بات یہ ہے کہ اگر یہاں کوئی گندی چیز پڑ جائے تو زلزلہ آ جاتا ہے اور تاریکی پھیل جاتی ہے اور اس وقت تک زلزلہ نہیں رکتا اور نہ اندھیرا صاف ہوتا ہے جب تک اس جگہ کے پانی سے گندگی دور نہ ہو جائے۔ یہاں مندر کے پروہتوں (اَسَدَنَۃ البُدّ) کی ایک جماعت مامور ہے اور ان کے پاس اُن ہندوؤں کو قتل کرنے کے لئے جو گنگا پر اپنی جان کی قربانی چڑھانا چاہتے ہیں، ہتھیار تیار رہتے ہیں۔ یہ لوگ ان ہتھیاروں سے اسی طرح قتل کر دیتے ہیں جس طرح مرنے والا قتل ہونے کی فرمائش کرتا ہے۔ گنگا کی عبادت کا طریقہ یہ ہے کہ ان پروہتوں میں سے ایک یا کوئی دوسرا ہندو ننگا ہو کر اور صرف ستر پوشی کر کے گنگا میں اترتا ہے اور جب پانی اس کی کمر تک آ جاتا ہے تو وہ ان پھولوں کی پنکھڑیاں الگ کرتا ہے جو اس کے ہاتھ میں ہوتے ہیں اور کچھ گنگناتا ہے اور پنکھڑیوں کو آہستہ آہستہ پانی میں ڈالتا ہے یہاں تک کہ وہ ختم ہو جاتی ہیں۔ منتر یا اشلوک کا آخری کلمہ زبان سے ادا کرنے کے بعد دونوں ہاتھوں میں بھر کر پانی لیتا ہے، اس کا کچھ حصہ پی لیتا ہے اور باقی اپنے منھ اور سر پر چھڑکتا ہے۔ اس کے بعد دریا کی طرف منھ کر کے لوٹتا ہے اور جب کنارہ پر پہنچ کر زمین پر قدم رکھتا ہے تو دریا کو سجدے کرتا ہے۔ ہندوستان کے ہندو اس دریا کے پانی سے اپنی ساری مورتیوں کا منھ اور سر دھلاتے ہیں۔ چاہے مورتی ہندوستان کے دور ترین جزیروں میں گنگا سے ایک سال کے فاصلے پر ہی کیوں نہ ہو۔

(باقی آئندہ)

---

[1] اس کے بعد متن میں یہ تین لفظ ہیں جن کا مضمون واضح نہیں ہے غالباً محرف ہیں۔ فیفیع عجزہ مدبخلب۔